ان دونوں حدود کے درمیان میں بلاغت کلام کے مختلف مدارج ہیں جن سے ایک کلام دوسرے سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔

چونکہ بلاغت موقع اور محل کے اقتضا سے کلام کی ترتیب ہے تو پھر ظاہر ہے کہ مواقع کی کوئی تحدید نہیں ہوسکتی۔ اس لئے انواع کلام اور مدارج بلاغت کی بھی تحدید نہیں ہوسکتی۔ ہر مفہوم کے ساتھ کچھ تعلقات ہوتے ہیں جن کا اثر اُس مفہوم یا مدعا پر براہ راست پڑتا ہے۔ یہ تعلقات امور خارجہ ہیں جن کی کوئی تحدید نہیں ہے اور انھیں تعلقات کی رعایت سے کلام کا ترتیب دینا بلاغت ہے۔ ان تعلقات کا جس قدر لحاظ ہوگا اُسی قدر بلاغت کا مرتبہ بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ وہ حد آسکتی ہے جہاں بشری طاقت نہیں پہنچتی اور یہی مرتبہ اعجاز ہے۔

بلاغت کی دوسری قسم کا بیان

بلاغت کی دوسری قسم بیان ہے۔ علوم بلاغت میں علم بیان کا وہی مرتبہ ہے جو مفردات کا جملے کے اندر ہے۔ مرکبات کی حقیقت سمجھنے کے لئے مفردات پر نظر غائر ڈالنا پہلا فرض ہے۔ اکثر عُلماء بیان نے اس کی تعریف میں اختلافات کئے ہیں اور اس کی حقیقت کو اس طرح مشخص نہیں کیا جس سے یہ علم اپنی ہیئت کذائی سے دیگر علوم ادبیہ اور دینیہ سے ممتاز ہوتا۔ اس کو ہم دو وجہ سے فرو گذاشت کہہ سکتے ہیں اوّل یہ کہ اس علم کی تقاسیم اور خواص و احکام پر غور کرنے کا مرتبہ اس کی حقیقت کے ذہن میں آنے کے بعد ہے۔ کسی شے کے متعلق کچھ کہنا یا اُس پر کوئی رائے ظاہر کرنا اُس کی

حقیقت پر کافی اطلاع کے بعد ہوتا ہے۔ جب تک کسی شے کی ماہیت ذہن میں نہ آئے اُس کی نسبت کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

دوسرے یہ کہ اس جگہ اس کی دو حیثیات میں ایک حیثیت ترکیبی دوسری حیثیت افرادی۔ اس علم کے اسرار و دقایق کا تعلق اُس کی حیثیت ترکیبی سے ہے اور اُس کی ماہیت اور حقیقت حیثیت افرادی رکھتی ہے۔ طبعاً مفردات کا جاننا مرکبات کے جاننے پر مقدم ہے۔ اتنا سمجھ لینے کے بعد ہم مختصراً اس کی حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ ہم کو اس کی تفصیل سے بحث نہیں ہے بلکہ وہی حد مد نظر ہے جو اصل مبحث کو واضح کر سکے۔

حقیقت علم بیان | ہمیشہ یہ علم باضافت بولا جاتا ہے۔ یعنی عُلما فن اس کو علم بیان، علم معانی یا علم بیان و معانی بولتے ہیں۔ بخلاف دیگر علوم کے جیسے فقہ، اصول، منطق اور فلسفہ وغیرہ یہی اصطلاح قدیم سے چلی آتی ہے اور اس کی دو حیثیتیں ہیں۔

حیثیت لغوی

ایک حیثیت لغوی۔ اس نظر سے جب علم المعانی بولا جاتا ہے تو معانی جمع معنیٰ ہے جیسے مضارب اور مقاتل جمع مَضرب و مَقتل بمعنی مصدر۔ اور علم البیان میں محاورۃً بیان فصاحت کا دوسرا نام ہے جیسا علم المعانی بلاغت کا حدیث میں وارد ہے اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحراً۔ اس کا مصدر تبیان بکسر تا مشتاۃ ہے۔ کسرۂ تا، خلاف قیاس ہے ورنہ قاعدہ کے رو سے اس کو فتحہ ہونا چاہیے تھا۔ ایسے خلاف قیاس صرف

دو لفظ کلام عرب میں سنی گئی ہیں تبیان اور تلقاء۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وتبیاناً
لِکُلِّ شَیٍٔ اور تِلقاءَ مدین۔

حیثیت اصطلاحی

دوسری حیثیت اصطلاحی۔ اس حقیقت میں اہل فن دو قسم کے تصرّفات کرتے ہیں پہلا تصرّف یہ ہے کہ علم معانی اور علم بیان کی جدا جدا تعریفات اور ان کی ماہیات کی تحدید بغیر ایک کو دوسرے کے ساتھ منضم کیے ہوئے کرتے ہیں۔ لہذا علم معانی سے مراد وہ مقاصد ہیں جو الفاظ مرکبہ کو بایکدگر ترکیب دینے سے سمجھے جاتے ہیں۔ گویا علم معانی حقیقتاً بلاغت ہے جس میں کلمات مرکبہ سے بحث ہوتی ہے بخلاف فصاحت کے جس کا تعلق الفاظ مفردہ سے ہے۔ جب علم معانی بولا جاتا ہے تو اس سے مراد بلاغت ہوتی ہے جس کی تفصیل اوپر گزری۔

علم بیان کا اطلاق الفاظ مفردہ پر ہوتا ہے جیسا کہ فصاحت کا مصداق الفاظ مفردہ ہیں۔

تعریف علم بیان

لہذا علم بیان وہ علم ہے جس سے ایک معنی کو مختلف طریقوں سے اس طرح پر ادا کرنے کا اسلوب معلوم ہو کہ وہ معنی مقصود اسی کیفیت کے ساتھ بوضاحت سمجھی جا سکیں جن سے متکلم متکیف ہے اور جن کو وہ ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً بذریعہ استعارہ یا کنایہ یا تشبیہ وغیرہ وغیرہ (جیسا موقع ہو)

دوسرا تصرف یہ ہے کہ دونوں علم معانی اور بیان کی ایسی جامع تعریف کی جائے کہ ایک ہی تعریف میں دونوں شامل ہوں لیکن یہ قریب قریب محال ہے۔ اس لئے کہ دونوں کی حقیقت ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ واقع ہوئی ہے اور ایسی دو حقیقتیں جو ایک دوسرے کے متضاد ہوں اُن کا ایک حد میں لانا محال ہے علمائے فن نے اس اعتبار سے ایسی مختلف تعریفیں کی ہیں جن میں دونوں شامل ہوں لیکن اس میں حقیقی کامیابی نہیں ہوئی بلکہ اغلاق بڑھ گیا ہے۔

توضیح ہر شخص جس کو اپنی زبان پر قدرت ہے یا کم سے کم اُس نے اہل زبان کے کلام کا تتبع کیا ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ ایک ہی مدعا کو مختلف طریقوں سے ادا کر سکتے ہیں۔ ہر ایک طرز کی حالت دوسرے سے مختلف ہو گی۔ بعض اُن میں سے مدعا کو بہت واضح کریگی اور مقصد صاف ظاہر ہوگا اور بعض میں کچھ پیچیدگی واقع ہوگی مثلاً ہم زید کی سخاوت کو بیان کرنا چاہتے ہیں اور اپنی اُس کیفیت کو سننے والے پر ظاہر کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے دل پر اُس کی سخاوت سے پیدا ہوئی ہے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ زید بڑا سخی ہے۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ زید دریا دل ہے۔ زید کے ہاتھ ابر باراں ہیں وغیر ذلک اس مدعا کو ہم نے اتنے مختلف طریقوں سے بیان کیا ان میں سے ہر ایک کا قلب پر ایک خاص اثر ہے اور ان میں سے بعض نے اُس کیفیت قلبی کو صاف طریقہ سے نمایاں کیا پس انھیں مختلف طریقوں سے ایک مدعا کو بایں طور ظاہر کرنا کہ اُس میں سے بعض صریح الدلالت ہوں بعض سے

علم بیان ہے اس کے لئے اصول و قواعد مقرّر ہوئے ہیں جو مختلف اصناف کلام کے تتبع سے پیدا ہوئے۔ جس طرح ہر علم کے لئے کچھ مبادی ہوتے ہیں جن پر اُس فن کی ساری عمارت کھڑی ہوتی ہے اُنھیں میں سے کچھ مبادی عقلی ہوتے ہیں جن کا تعلق محض عقل اور سمجھ سے ہے اور کچھ کا تجربیات سے تعلق ہوتا ہے اسی طرح اس علم کے بعض مبادی بھی عقلی ہیں جیسے اقسام تشبیہات اور انواع دلالات اور بعض کا تعلق محض ذوق اور وجدان فطری سے ہے جیسے وجوہ تشبیہات اور اقسام استعارات وغیرہ۔

بلاغت کی تیسری قسم | بلاغت کی تیسری قسم بدیع ہے۔ اس علم کا مرتبہ معانی اور بیان کے بعد ہے اس علم میں اُن اسباب و وجوہ سے بحث کی جاتی ہے جن سے کلام میں بعد رعایت مقتضائے حال رونق اور آرایش و زیبائش آتی ہے۔ یہی وہ فن ہے جس سے ہمارے موضوع مقدمہ یعنی چیستاں کا تعلق ہے۔ ہمیشہ کسی مسئلہ یا موضوع کے تحقیق میں اُس کے ہر پہلو پر روشنی ڈالنی پڑتی ہے اور اُس کے مختلف حیثیات سے بحث ہوتی ہے یہ حیثیات مختلفہ ایک گونہ اُس کے اصول و ضوابط ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک لفظ کو لو جو کسی جملہ کے اندر واقع ہے تو اگر ہم اُس کو بحیثیت ایک لفظ کے دیکھیں (جو ایک معنی کے لئے موضوع ہے) تو یہ علم لغت ہے۔ اور اگر اُسی لفظ کو اس حیثیت سے دیکھیں کہ اُس میں کسی قسم کے تغیرات ہوتے ہیں یعنی اُس کا گھٹانا، بڑھانا، ادغام وقف وغیرہ تو یہ علم صرف ہے اور اگر لفظ کے

اس حالت سے بحث ہو کہ جملہ میں ایک لفظ کو دوسرے سے کیا تعلق ہے۔ فاعل ہے یا مفعول، مبتدا ہے یا خبر یعنی الفاظ کے وہ تعلقات باہمی جو ایک جملہ میں واقع ہونے سے بایکدگر پیدا ہوتے ہیں تو یہ علم نحو ہے۔ اور اگر الفاظ کے فصیح وغیر فصیح ہونے کی حیثیت ملحوظ ہو تو یہ علم فصاحت ہے۔ اگر الفاظ کو بحیثیت ترکیبی دیکھیں کہ کس موقع پر کونسا نہج کلام مفید ہے تو یہ علم بلاغت ہے اور اگر اس کے طرق اور انواع سے بحث ہو تو علم بیان ہے اور اگر الفاظ کے حسن وزیبائش سے گفتگو ہو تو یہ علم بدیع ہے۔ علم بدیع کا تعلق معانی وبیان سے ایسا وابستہ ہے کہ اگر ان میں سے ایک کو الگ کر لیجیے تو بدیع پھر کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ ابن رشیق قیروانی نے لکھا ہے کہ جملہ میں بدیع کی وہی صورت ہے جیسے کھانے میں نمک۔ اگر نمک حد اعتدال سے بڑھ جائے تو کھانے کی لذت باقی نہیں رہتی اور اگر نمک کو نکال لیجئے یا تنہا نمک پھانکئے تو بالکل ناگوار ہوگا۔ یہی تل اگر رخسارہ پر موقع سے ہے تو پھر چہرہ کی حسن وخوبی کا کیا پوچھنا ہے۔ لیکن فرض کرو کہ کوئی چہرہ تمام تِلوں سے لبریز ہے تو ظاہر ہے کہ اُس چہرہ کے بدنمائی کا کیا عالم ہوگا۔ کلام کی خوبی تو یہ ہے کہ الفاظ کی خوبی کے ساتھ ہی معانی کے سمجھنے میں رکاوٹ نہ ہو۔ ورنہ مدعا فوت ہے۔ اور کلام کی پھر کوئی حقیقت ہی باقی نہیں رہتی۔

بدیع کی معانی وبیان سے نسبت | علم بدیع کی نسبت معانی وبیان سے

ایسی ہی جیسے حیوان اور نطق کی نسبت انسان سے ہی۔ معانی اور بیان کے بغیر بدیع کا وجود نہیں ہے جیسے بغیر زندگی اور نطق کے انسان کا وجود خیال میں نہیں آسکتا۔ لیکن معانی کو بیان سے وہ نسبت ہی جو حیوان کو نطق سے ہی۔ علم معانی بغیر علم بیان کے پایا جاسکتا ہی جس طرح حیوان بلا نطق موجود ہی۔ گائے بکری، گھوڑا وغیرہ حیوان ہیں مگر ذی نطق نہیں۔ لیکن نطق بلا حیوانیت کے ناممکن ہی اس لئے کہ نطق کا مرتبہ بعد زندگی کے ہی۔ یعنی علم معانی پایا جاسکتا ہی اس صورت میں کہ علم بیان کا وجود نہ ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ سب میں اعم علم معانی ہے اور خاص تر بدیع ہے۔ علم بدیع کی حالت ترکیبی ہے۔ ہمیشہ مرکبات اپنے وجود میں مفردات کے محتاج ہیں علم معانی و بیان گویا اُس کے لئے مفردات کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی طرف مرکب بالطبع محتاج ہی۔ یہی سبب تھا کہ میں نے فصاحت و بلاغت پر اجمالی بحث کی تاکہ بدیع کی حقیقت پوری ذہن نشین ہو اور آیندہ جو کچھ میں اس کے متعلق لکھوں وہ شے اجنبی نہ قرار پائے۔

علماء بدیع نے تصریح کی ہی کہ بدیع کے تمام اقسام کا تعلق فصاحت و بلاغت کے ساتھ یکساں ہی۔ فن بدیع میں اگر محض الفاظ مفردہ سے ہمارا تعلق ہے تو وہ فصاحت کے ذیل میں ہوگا اور اگر الفاظ کی حیثیت ترکیبی پر بلحاظ معانی کے گفتگو ہوگی تو اُس کو بلاغت کے تحت میں لانا ہوگا۔

علم بدیع پر کتابیں | عموماً یہ فن علم بلاغت کے ذیل میں لکھا جاتا ہی۔ لیکن متقدمین

اور متاخرین نے تنہا علم بدیع پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور ابتدا سے آج تک اس کے اقسام میں بہت کچھ اضافہ ہوتا آیا ہے۔ ابو العباس عبداللہ بن المعتز العباسی نے ۲۷۴ھ میں اس فن پر کتاب البدیع پہلی کتاب لکھی اور اس نے بدیع کے سترہ اقسام جمع کئے۔ اسی زمانہ میں قدامہ بن جعفر الکاتب نے نقد الشعر لکھی اور اس کے اقسام کو تیس تک پہنچایا۔ علامہ سکاکی نے اس میں سے صرف ۲۹ اقسام کا ذکر کیا ہے۔ پھر ابو ہلال عسکری نے ۳۹۵ھ میں کتاب الصناعتین لکھی جس کے اندر بدیع کے اس نے ۳۷ اقسام لکھے ہیں۔ ابن رشیق قیروانی المتوفی ۴۵۶ھ نے العمدہ میں ۳۷ اقسام کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد شرف الدین التیفاشی نے ستر اقسام تک پہنچایا۔ پھر شیخ زکی الدین عبدالسلام بن عبدالواحد معروف بابن ابی الاصبع نے ۶۵۴ھ میں تحریر التحبیر لکھی جو عموماً کتاب التحریر کے نام سے مشہور ہے مصنف نے اپنی تحقیقات سے اس کے ۹۰ اقسام تک دریافت کئے اور ان سب کو آیات قرآنی پر منطبق بھی کیا ہے۔ یہ کتاب اس فن میں بہترین کتب سمجھی جاتی ہے مصنف نے محض نقل پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تنقید سے بھی کام لیا ہے۔ اس شخص نے محض اس فن پر چالیس کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ علامہ صفی الدین حلی نے کافیۃ البدیعیہ ۷۵۰ھ میں لکھا اور خود ہی اس کی شرح بھی کی۔ اس مصنف کے تتبع میں عبدالرحمن الحمیدی نے قصیدہ بدیعیہ لکھا۔

ابو جعفر احمد الرعینی المتوفی ۷۷۹ھ نے بدیعیۃ العمیان لکھا۔ پھر شیخ شمس الدین

ابو عبد اللہ محمد بن جابر الاندلسی المتوفی ۷۸۰ھ نے بھی ایک قصیدہ بدیعیہ لکھا۔ پھر شیخ عز الدین الموصلی اور وجیہ الدین الیمنی المتوفی حدود ۸۰۰ھ نے بدیعیہ لکھی شیخ تقی الدین بن حجہ الحموی المتوفی ۸۳۷ھ نے التقدیم نامی علم بدیع پر ایک مبسوط کتاب لکھی جس میں اس فن کو ایک سو چھیاسٹھ اقسام تک پہنچایا۔ اس کتاب میں جس قدر صنائع لفظی و معنوی کے اقسام لکھے گئے ہیں اس فن کی دوسری کتابوں میں پائی نہیں جاتے۔ عائشہ باعونیہ نے رسالہ بدیعیہ نظم میں لکھا ہے لیکن اس نے اقسام بدیع کے نام ظاہر نہیں کئے۔

بدیع کی عقلی تقسیم | عقلی طور پر بدیع کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق محض معنی سے ہی جیسے توریہ (جس کو ایہام بھی کہتے ہیں) یعنی ایسا لفظ لانا جس کے دو معنی ہوں ایک مقصود دوسرے غیر مقصود۔ جیسے امانت لکھنوی

دل جو بھر آیا تو اک شور مچایا میں نے
ساری تالاب کے سوتوں کو جگایا میں نے

آزاد بلگرامی ؎

لا تملك العين الهموع لانها　　　　عين وقفنا ها على الاطلال

ایک جگہ عین بمعنی آنکھ دوسری جگہ عین بمعنی چشمہ۔

دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق فقط لفظ سے ہو جیسے تجنیس یعنی ایسے دو لفظ لانا جو نوع اور عدد اور ہیأت میں موافق ہوں۔ جیسے آباد کہتا ہے ؎

اشک برسانے میں شرط آنکھوں نے باہم بدلی
صاف رونے میں بنے دیدۂ پُرنم بدلی

یا جیسے قرآن کریم میں ہے وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ ساعۃ اولیٰ سے مُراد قیامت اور ثانیہ سے وقت کا ایک حصہ۔ تیسری قسم جس کا تعلق معنی ولفظ دونوں سے ہو جیسے مقابلہ۔ ایک کلام کے مقابل دوسرا کلام اس طرح سے ہو کہ چند الفاظ یا کل بایک دگر متضاد ہوں جیسے ذوقؔ فرماتے ہیں

خیر خواہوں کے ترے چہرہ پہ ہو رنگ نشاط
اور بد خواہوں کے رخسار پہ اشکِ حسرت

سکاکی کا اختلاف

علامہ سکاکی نے بدیع کے صرف دو ہی قسموں کا ذکر کیا ہے۔ ایک لفظی دوسرے معنوی تیسری قسم سے اُنھوں نے کوئی بحث نہیں کی۔ شاید اُن کے نزدیک یہ مستقل اور جداگانہ قسم نہیں ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ خیال صحیح نہیں ہے میں یہاں اُن وجوہ سے بحث کرنا پسند نہیں کرتا جس نے اس رائے کے سقیم ہونے کو بتلایا۔

النکار ہنود کے بلاغت میں بدیع کو النکار अलंकार کہتے ہیں۔ لغت میں النکار بمعنی زیور، گہنا۔ اسی مناسبت سے اس علم کو النکار کہتے ہیں۔ اصطلاح میں لفظ ومعنی کی وہ حالت جس سے نظم کو زینت ہو اس کی تین قسمیں ہیں ایک

شبدالنکار **शब्दालंकार** وہ النکار جس میں لفظ کی خوبی ہو جیسے

انوپراس **अनुप्रास** وہ شبد النکار (بدایع لفظی) ہے جو کسی جملہ
میں ایک ہی حرف بار بار آکر اس جملہ کی خوبصورتی کا بڑھانے والا ہو۔ جیسے
تلسی داس کاگ کیں کل کنٹھ کٹھور (ترجمہ (کہتے ہیں کہ کالی گردن کا کوا بے رحم ہوتا ہے))
اس کی پانچ قسمیں ہیں چھکانوپراس، ورتیانوپراس، شروتیانوپراس، انتیانوپراس
اور اٹانوپراس، دوسرے ارتھالنکار **अर्थालंकार** (معنوی)
جس کے معنی میں کوئی ندرت ہو جیسے اوپما **उपमा** (تشبیہ) وغیرہ تیسرے
اوبھیالنکار **उभयालंकार** (لفظی و معنوی) جس کے لفظ و معنی دونوں
میں ندرت ہو۔ ابتدا میں النکار کی قسمیں بہت تھیں۔ بھرت منی نے صرف چار
اقسام تک دریافت کیا تھا لیکن اب اسی سے اور بہت سی قسمیں پیدا ہوگئیں۔

چیستاں

اقسام بدیع سے متاخرین نے چیستاں بھی ایک قسم قرار دی ہے۔ عربی میں
اس کو لغز کہتے ہیں۔ صاحب لسان العرب نے اس لفظ کی تحقیق میں لکھا ہے کہ
عرب الغز الکلام اُس موقع پر بولتے ہیں جب کوئی اپنے مراد کے خلاف کسی امر کو
ایسے الفاظ میں جس سے وہ مقصد براہ راست سمجھا نہ جا سکے ظاہر کرنا چاہے۔ یہ
لفظ کئی طرح مستعمل ہے۔

(لغوی تحقیق)

اللُغز۔ اللُغَز۔ واللَغَز واللغیزی۔ اصل میں اُس سوراخ کو کہتے ہیں جس کو موش دشتی کھیتوں میں بناتا ہے اور کچھ دور تک اُس کو برابر کھودتا ہے پھر اُس میں مختلف جانب کج وپیچ دے کر راستے بنا لیتا ہے تاکہ کوئی شخص اگر اُس کو پکڑنے کے لئے زمین کھودے تو وہ دوسرے سمت سے بھاگ جائے۔ حضرت عمرؓ کی ایک حدیث اسی معنی میں ہے، انہ مر بعلقمہ بن القعواء یبایع اعرابیا یلغز لہ فی الیمین ویری الاعرابی انہ قد حلف لہ ویری علقمہ انہ لم یحلف فقال لہ عمر ما ھٰذہ الیمین اللغیزاء ترجمہ (حضرت عمر ایک بار علقمہ بن القوار کے پاس سے گزرے اور وہ ایک اعرابی سے بیعت لے رہے تھے اور وہ اعرابی قسم میں لغز استعمال کر رہا تھا اعرابی کی گفتگو سے قسم ظاہر ہو رہی تھی اور علقمہ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ قسم نہیں ہے حضرت نے فرمایا کہ یہ کیسی قسم لغز ہے) اس سے معلوم ہوا کہ جو کلام ایسا ہو جس کے ظاہری معنی کچھ اور ہوں اور معنی مخفی کچھ اور ہوں اُس کو لغز کہتے ہیں اور یہ معنی اُسی اصلی معنی سے ماخوذ ہیں۔

مشتق ہے عبرانی سے۔

لیکن میرے نزدیک یہ لفظ عبرانی لاغز לעז سے مشتق ہے عبرانی زبان میں لاغز کے معنی مبہم گفتگو کرنا۔ ایسی بات کہنا جو سمجھ میں نہ آئے اسی سے لفظ عبرانی لاغوز לועז بمعنی اجنب۔ غیر ملک کا رہنے والا לעז مبہم گفتگو

کرنے والے لوگ پیشتر زمانۂ جاہلیت میں چیستاں کی کوئی مثال نہیں ملتی اور اس لفظ اشتقاق لغز سے بمعنی سوراخ موش دشتی کرنا ادبی نظر سے ناپسندیدہ ہے چونکہ یہود کی تہذیب بہت قدیم ہے اور یہود نے بیشتر علوم یونانیوں سے حاصل کئے اس لئے یہ قرین قیاس ہے کہ یہ معنی یونانیوں سے جبکہ یہاں چیستاں کا عام رواج تھا لیا گیا ہو۔ عبرانی زبان میں חִידָה خیدا کہتے ہیں۔ موجودہ محاورہ حال میں شامی حزورہ بمعنی چیستاں بولتے ہیں اور اہل حجاز آجکل حُزَیرہ بولتے ہیں

(سنسکرت پرہیلکا)

سنسکرت میں اس کو پرہیلیکا प्रहेलिका کہتے ہیں ماہل हिल بمعنی کھیلنا اور پر प्र حرف زائد مقدم اور رُوُل रावुल زائد اخیر اس کی تفصیل آگے ہوگی۔ فارسی میں چیستاں اور انگریزی رڈل (Riddle) کہتے ہیں اور ہندی میں پہیلی جس کا اشتقاق سنسکرت پرہیلکا سے ہے اس صنف نے متاخرین میں اس قدر رواج پایا کہ اب مستقل ایک فن ہو گیا۔

صاحب کشف الظنون کی رائے

چنانچہ صاحب کشف الظنون نے علم الالغاز کا مستقل موضوع بحیثیت فن قرار دیا ہے اس کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک علم ہے جس سے دلالت لفظ مدعا پر نہایت خفی ہو لیکن نہ اتنی کہ اس سے اذہان سلیمہ متنفر ہوں بلکہ اس سے طبیعت کو انبساط حاصل ہو۔ ہمیشہ الفاظ سے مراد موجودات خارجیہ ہوتی ہیں اور یہی قید چیستاں کی

حقیقت کو معمّا سے جدا کرتی ہی معمّا میں فقط نام مطلوب ہو اعم اس سے کہ وہ نام کسی شے کا ہو یا انسان کا۔ انواع علم بیان سے چیستان ہی اور علم بیان کی حقیقت میں وضوح دلالت معتبر ہی۔ لیکن چیستان و معمّا میں آزمایش اذہان کے لیے مدعا مخفی رکھنا بسبیل ندرت مقصود ہوتا ہی۔ یہی سبب ہے کہ بلغاء نے اس کی جانب کچھ ایسی توجہ نہیں کی اور نہ اُن کو صنایع بدیعیہ میں شمار کیا ہی جن میں حُسن عرضی الفاظ کو عارض و لاحق ہوتا ہی۔ پھر وہ شے جو چیستان کی صورت میں رکھی گئی ہی اگر وہ الفاظ و حروف نہیں بلکہ موجوداتِ خارجیہ میں سے کوئی شے سمجھی جاتی ہی تو اُس کو لغز کہتے ہیں اور اگر الفاظ و حروف ہیں جن سے معانی مقصودہ سمجھے جاتے ہیں تو وہ معمّا ہی۔ اس تعریف سے یہ امر مستنبط ہوتا ہی کہ ایک ہی لفظ معمّا اور چیستاں کی حیثیت دونوں کی رکھی ہی لیکن دو جداگانہ اعتبارات سے اگر مدلول الفاظ ہیں اور اُس سے مُراد معنی ثانی ہی تو وہ معمّا ہی اور اگر موجوداتِ خارجیہ میں سے کوئی شے ہی اعم اس سے کہ کوئی بھی نام رکھ لیا جائے تو وہ لغز ہی۔ اس فن کے اکثر مبادی چیستاں اور معمّا بنانے والوں کے تتبع کلام سے ماخوذ ہیں۔ جن میں سے بعض امور تخیلیہ ہیں جن کی بنیاد محض ذوقِ سلیم پر ہی اور اُس کی مسائل اُن مناسبات دقیقہ سے پیدا ہوتے ہیں جو اُس لفظ دال اور اُس کے مدلول مخفی کے درمیان میں ہی اس طرح کہ اُس کو ذوقِ سلیم قبول بھی کرے۔ اس سے مدعا ذہن کی خاص تربیت ہی جس سے امور خفیہ کے استنباط پر ادنیٰ اشارات سے قدرت اور ملکہ حاصل ہو۔ علامہ حسن ابن رشیق قیروانی جو اجل بلغاء سے گذرا ہی ۳۹ھ میں

پیدا ہوا اور ۴۵۶ھ میں وفات پائی ادب میں اُس کی بہت سی کتابیں ہیں۔ اس کی تصنیفات میں بہترین کتاب العمدہ ہی۔ اس شخص نے اپنی کتاب میں اشارات و رموز کا جدا گانہ باب قایم کیا ہی اور اس قسم کے صنایع لفظی و معنوی جس کے معنی ظاہری میں غرابت و ندرت ہو اور مدعا اُس کے خلاف ہو جو معنی ظاہری سے سمجھا جاتا ہی۔

"ابن رشیق القیروانی لکھتا ہی کہ" رمز و اشارہ اشعار کے بالطف و دلچسپ اقسام میں سے ہی یہ عجیب و غریب بلاغت ہی جس سے معانی بعیدہ کی طرف اشارہ ہوتا ہی اس سے شاعر کے کمال حذاقت اور قدرت کلام کا اندازہ ہوتا ہی۔ حقیقتاً یہ ہم نوعِ کلام میں غایتِ اختصار ہی کہ جس کے معنی اصلی ظاہر لفظ سے جدا ہوتے ہیں اور شاعر کا مدعا معنی ظاہری سے الگ ہوتا ہی۔ اخیر کا ایک شعر ہی ؎

فانی لو لقیتک واتجھنا

لکان لکل منکرۃ کفاء

ترجمہ:۔ اگر میں تجھ سے ملتا اور تیرا سامنا ہوتا تو ہر بُرائی کے لیے ہی کافی تھا۔

شاعر کہہ رہا ہی کہ مخاطب کی بُرائیاں اس مرتبہ میں پہونچی ہیں کہ اُس کا سامنا ہو جانا ہی برائی ہی۔ قدامہ کا قول ہی کہ یہ شعر اس مضمونِ خاص میں بہترین اشعار ہی۔ انھیں اقسام میں سے لغز ہی جو بعید و خفی ترین اشارات پر مبنی ہوتا ہی اور یہ ایک قسم کلام ہی جو ظاہر میں ناممکن اور عجیب نظر آتا ہی لیکن حقیقت میں ممکن اور غیر عجیب ہی جیسے ذو الرمہ کا ایک شعر ہی۔ آنکھ کی تعریف میں کہتا ہی ؎

واقصر من قعب الولید تری بیوتاً مبناۃ وادویۃ قفرا

(یہاں یہ ہیں وہو کہا ہے) میری رائے میں ان رشیق نے توریہ اور مغالطہ معنوی میں اور لغز میں کوئی فرق امتیازی قایم نہیں کیا۔ اس تعریف کے اندر توریہ اور مغالطہ معنوی داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ توریہ اُس عبارت کو کہتے ہیں جس کے ظاہری لفظ سے وہ معنی نہ سمجھے جائیں جو مقصود ہیں اگرچہ معنی مقصود اُسی سے سمجھے جاتے ہوں۔ اس لیے کہ اس میں محض خفیف سا پردہ ہوتا ہے۔ اور مغالطہ معنویہ ایسا لفظ جو دو معنوں پر دلالت کرے بجہت اشتراک یہ اُن دونوں معانی میں سے ایک کا سمجھا جانا بلحاظ ارادہ کے ہوتا ہے ورنہ لفظاً و معنی کا اُس سے سمجھا جانا برابر ہے کسی لفظ کی وضع معنی مشترک میں بجہت بدلیت ہوتی ہے ورنہ ہمیشہ ایک لفظ ایک ہی معنی کے لیے موضوع ہوتا ہے۔ مغالطہ اور لغز چیستاں میں فرق یہ ہے کہ مغالطہ بوجہ لفظ کے معنی مشترک رکھنے کے پیدا ہوتا ہے کہ اُن میں سے ایک بجہت بدلیت وضعاً اُن معانی پر دلالت کرتا ہے لیکن باعتبار قصد و نیت کے دونوں یکساں سمجھے جاتے ہیں۔ بخلاف چیستاں کے جس میں دونوں معنی بطریق اشتراک سمجھے جاتے ہیں اس طرح پر کہ ایک معنی تو لفظاً سمجھ میں آتا ہے اور دوسرے معنی غور و فکر سے اور وہ لفظ سے براہِ راست سمجھ میں نہیں آتا۔ جیسے ایک شاعر کہتا ہے ؎

عشق بیٹھا ہے دل میں اک بت کا ہم تو یار و خدا لگے بھی رہے

یا

دل جو دیکھا تو صنم خانہ سے بدتر نکلا　　　لوگ کہتے تھے کہ اس گھر میں خدا رہتا ہے

رہتا خدا بمعنی متصرف ہونا اور مناسبات رہنے کے یعنی بود و باش کے گھر او صنم خانہ ہے

یا جیسے ایک عراقی نے ایک حنبلی المذہب کی جو آخر میں شافعی ہو گیا ہجو کی ہے

فمن مبلغ عنی الوجیہ رسالۃ　　　وان کان لا تجدی لدیہ الرسائل

تمذہبت للنعمان بعد ابن حنبل　　　وفارقتہ اذا عوزتک المآکل

وما اخترت رای الشافعی تدینا　　　ولکنما تھوی الذی ھو حاصل

وعما قلیل انت لا شک صائر　　　الی مالک فاسمع لما انا قائل

ترجمہ:۔ کون شخص میری طرف سے وجیہ کو خط پہنچائیگا۔ اگرچہ اس کو خطوط سے کوئی نفع نہیں پہنچنے کا۔ تو نے امام ابو حنیفہ کا مذہب اختیار کیا اور امام حنبل کا مذہب ترک کر دیا جب تجھ کو کھانے پینے کی دشواری پیش آئی (امام ابو حنیفہ کے نزدیک بہت چیزیں ناجائز ہیں جو امام حنبل کے نزدیک جائز ہیں)

تو نے دیانت داری سے مذہب شافعی اختیار نہیں کیا لیکن تو نے امر حاصل کا قصد کیا ہی۔ اور عنقریب بے شبہہ مالک کی طرف جائیگا۔ او رسن لے جو میں کہتا ہوں۔

یہاں تک مالک کے دو معانی ہیں ایک مالک ابن انس یعنی امام مالک دوسرے داروغہ دوزخ۔ یہاں مغالطہ لطیف ہی۔ ابن رشیق کی تعریف میں مغالطہ اور توریہ داخل ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح امام یحییٰ بن حمزہ علوی الیمنی نے بھی لغز اور احجیہ اور معمے میں کوئی

فرق نہیں کیا ہی۔ ان سب کو لغز کے اندر شامل کیا ہی۔ حالانکہ احجیہ میں اور لغز میں فرق ہی۔

احجیہ

حریری نے مقامات میں لکھا ہی کہ ان وضع الاحجیۃ لامتحان الالمعیۃ واستخراج الخبیۃ الخفیۃ وشرطھا ان تکون ذات مماثلۃ حقیقیۃ والفاظ معنویۃ ولطیفۃ ادبیۃ فمتی نافت ھذا النمط صاھت السقط ولم تدخل السقط۔ ترجمہ :۔ وضع چیستان آزمائش فہم کے لیے ہی جس سے نکتہ پوشیدہ ظاہر کیا جاتا ہی۔ اس کی شرط یہ ہی کہ اہمیں مناسبت حقیقیہ اور الفاظ معنویہ اور لطیفہ اور ادبیہ ہو اگر یہ شرط مٹا دی جائے تو پھر ایک ردی چیز رہ جاتی ہی)

علم احجیہ

صاحب کشف الظنون نے علم الاحاجی والاغلوطات کو جداگانہ فن اور اس کو فروع لغت وصرف ونحو سے قرار دیا ہی۔ لکھتے ہیں کہ "علم الاحاجی" ایک علم ہی جس میں اُن الفاظ سے بحث ہوتی ہی جو ظاہر میں قواعد عربیہ کے خلاف ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ قاعدہ کے خلاف نہیں ہوتے۔ اس علم کا موضوع الفاظ مخالفہ قواعد عربیہ ہیں اس حیثیت سے کہ حقیقت میں نہوں ظاہر میں مخالف نظر آئیں چیتیاں کی طرح اس علم کے مبادی تمام تر علوم عربیہ سے ماخوذ ہیں۔ اس علم سے مقصود ان قواعد پر ملکہ حاصل کرنا ہی۔ علامہ جار اللہ زمخشری المتوفی ۵۳۸ھ نے اس فن میں نہایت بہتر کتاب تصنیف

کی ہے اور اُس کا نام المحاجات رکھا ہے شیخ علم الدین علی بن محمد السخاوی دمشقی المتوفی ۶۴۳ھ نے اس کی نہایت بہتر شرح کی ہے۔ ابو المعانی سعد بن علی الوراق الحظری المتوفی ۵۶۸ھ کی بھی اس علم میں بہتر تصنیف ہے۔ حریری نے مقامہ ملطیہ میں بہت سے احاجی لکھے ہیں۔ نظام احمد بن محمد صالح نے اس کی کسی قدر تفصیل کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ لغز ایک قسم کا کلام موزوں ہے جس میں کسی چیز کے صرف خواص و لوازم کو بیان کرتے ہیں تاکہ انھیں خواص و لوازم سے ذہن اصل شے کی طرف منتقل ہو۔ اس شرط سے کہ وہ تمام صفات و خواص مجموعی طور پر اسی شے میں پائے جائیں اور دوسری شے اُن خواص اور علامات میں شریک نہو۔ فارس والے اس کو چیستان کہتے ہیں جیسے فیضی نے آم کی چیستان بنائی ہے ؎

چیست آں دُرج زمرد رنگ ناپیدا دہاں | چوں صدف یکتا دُرے ناسفتہ دارد درمیاں
حیرتے دارم کہ چوں آں دُرج بگشاید کسے | افگند آں گوہر ناسفتہ از کف رائیگاں
مبدع صورت چو ترکیبِ وجودش نقش بست | پوستش بر مو پدید آورد مو بر استخواں

معمّا اور چیستاں معمّا اور چیستاں میں فرق یہ ہے کہ معمّا میں شاعر کا مدعا اور مطمح نظر نام ہوتا ہے۔ اور چیستاں میں وہ شے ہوتی ہے اعم اس سے کہ اُس کے لیے کوئی نام ہو یا نہو بعض فصحا کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے بلکہ کسی چیستاں میں لوازم و صفات بیان کر کے اسم مراد لیتے ہیں چنانچہ رشید الدین وطواط نے لکھا ہے کہ معمّا بھی اقسام چیستاں سے ہے صرف فرق یہ ہے کہ چیستاں بطریق سوال ہوتا ہے جیسے ؎

چیست آں کس زعقلِ شمن و دوست | ہم بخواہند دوست ہم دشمن
از صفت حافظست و مہلک نیز | واعظِ ہم مخوف و مامن تلوار

میرے نزدیک بجائے تلوار کے محض ہتیار کہا جائے تو بہتر ہی اس لیے کہ یہ صفت ہر ہتیار میں پائی جاتی ہی) اور معما ایسا نہیں۔

مولنا شرف الدین علی یزدی نے حلل مطرزہ میں معما اور چیستاں میں یہ فرق تبلایا ہی کہ چیستاں بنانے والے کے ذہن میں پہلے ایک صورت قایم ہوتی ہی پھر اُس کے لوازم و صفاتِ مخصوصہ کو وہ تلاش کرتا ہی اور اُن کو ایسے ترتیبِ کلام میں لاتا ہی جس کے ظاہری معنی میں ایک نُدرت پیدا ہوتی ہی۔ اور بادی النظر میں وہ مفہوم عجیب و غریب ہوتا ہی اور چیستاں بنانے والا اُس کو سوال کی صورت میں پیش کرتا ہی تاکہ جواب دینے والا اُس ندرت کے دھوکے میں پڑے اور اصل شے کی طرف متوجّہ نہو اور معما میں محض لفظ کی ترکیب حروف کا اس پیرایہ میں بیان ہوتا ہی جو ظاہر میں کچھ اور معنی ہوتے ہیں اور حقیقت میں اُس لفظ کے حروف اور اُس کی ترکیب اور کسی میں اُس کی حرکت کا اظہار ہوتا ہی۔ جیسے اسم علی کا معما ؎

چشم بکشا زلف بشکن جانِ من | بہرِ تسکینِ دلِ بریانِ من

حل۔ چشم بمعنی عین (ع) بکشا عربی افتح بمعنی فتحہ دے۔ زلف مشابہ دل) بشکن عربی اکسر بمعنی کسرہ دے۔ تسکین معنی ساکن کرنا۔ دلِ بریاں لفظ بریان کا حرف متوسط یا ہی۔ حاصل یہ ہوا کہ عین کو فتحہ دو۔ لام کو کسرہ اور یا کو ساکن۔ جس سے علی حاصل ہوتا ہے

معمّا کی صورت چیستاں سے بالکل مختلف ہوتی ہی۔

چیستاں کے لوازم

چیستاں کی خوبی یہ ہی کہ جتنے حالات وصفات اُس شے کے بیان کیے جائیں وہ صفات اور احوال اُس شے میں موجود ہوں اس طرح سے کہ وہ دوسری چیزوں پر صادق نہ آئیں اگر اُن اوصاف اور لوازم میں جو بتہ کے طور پر بیان کیے گئے ہیں دوسری چیزوں کو بھی شریک کرنا ہو۔ تو اُن کو اس خوبی سے ادا کریں کہ وہ کل اوصاف مجموعاً اُن سب کے ساتھ خاص ہوں اس طرح سے کہ اُن کے جان لینے کے بعد سُننے والوں کو پھر اُس میں کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ اگر وہ صفات متناقض ہوں اور لوازم نادر غریب کہ ظاہر محال معلوم ہوں لیکن حقیقت میں واقع کے مطابق ہوں تو اُن کو اُس صورت ذہنیہ چیستاں کے سمجھنے کے لیے جمع کرنے سے چیستاں میں خاص دل فریبی اور حُسن پیدا ہوتا ہی۔

طبیعت کا خاصہ فطریہ امور غریبہ کی جانب رغبت ہے

طبیعت کا خاصہ فطریہ ہی کہ وہ امور غریبہ کے سُننے کی طرف بہت راغب ہی۔ طبیعت کو اُس سے نہایت انبساط اور فرح حاصل ہوتا ہی۔ یہی سبب ہے کہ چیستاں ہمیشہ مجالس فرح و انبساط میں پیش کی جاتی ہی۔ ہمیشہ غریب نادر یا غیر مانوس الفاظ ومضامین یا حکایت کے سننے سے ہنسی آتی ہی۔ اس لیے جس چیستاں میں یہ عنصر غالب ہوگا وہ اس صنعت میں بہتر خیال کی جاویگی۔

چیستاں کا مقصد زیادہ تر تشحیذ اذہان او ر تنشیط ہوتا ہے جیسے خلال کی چیستاں ؎

آں تیر صفت کہ شد دہاں آماجش — در طور کلیم راز جو معراجش

ہر چند بحبند ری وضعیفی مثل ست — حکام دہند از یں دنداں باجش

کبھی چیستاں میں اس شے کا نام بطریق معما ذکر کرتے ہیں۔ جیسے عصا کی چیستاں ؎

دست گیرے کہ دید پا بر جا — کز سر دست می رود پایش

موسوی نسبت ست از آدم — بیشتر ذکر کردہ قرآنش

چوں صبا عاشق ست و آشفتہ — شقی از روے ہمان و نمایش

چیستاں کی یہ قسم بہترین و مشکل ترین ہے۔ کبھی چیستاں رموز میں گفتگو کے لیے استعمال کی کی جاتی ہے۔

شمس الدین الرازی کی تحقیقات

شمس الدین محمد بن قیس الرازی نے لکھا ہے کہ "لغز آن ست کہ معنی از معانی در کسوت عبارے مشکل متشابہ بطریق سوال پرسند و از یں جہت در خراساں آں را چیستان خوانند و ایں صنعت چوں عقب مطبوع افتد و اوصاف آں از روے معنی با مقصود مناسبتے دارد و بحشو الفاظ دراز نگردد و از تشبیہات کاذب و استعارات بعید دور بود پسندیدہ باشد و تشحیذ خاطر را شاید چنانکہ معزی در صفت قلم تشبیب قصیدہ ساختہ است اگرچہ سخت ظاہر ست۔ لغز ؎

چہ پیکر ست ز تیر سپہر یافتہ بیتر — بشکل تیر و بدو ملک راست گشتہ چو تیر

کجا بگرید در کالبد بخندد جاں — کجا بنالد در آسماں ببازد تیر

زنادرات جواہر نشاں دہد بشک — ز مشکلات ضمائر خبر دہد بصریر

ہر انچہ طبع بر اندیشد او کند تالیف — ہر انچہ وہم فراز آرد او کند تفسیر

دگرے گفتہ است در مقراض ؎

چیست کاندر دہانِ دو دندانش — ہر چہ افتاد ریزہ ریزہ کنند

چوں زدی در دو چشم او انگشت — در زماں ہر دو گوش تیز کنند

لغز کے لغوی معنی

لغز در اصل لغت بر گردانیدن چیزے ست از سمتِ راست و الغاز راہہای کژ مژ است و لغز اسوراخ موش دشتے ست کہ بر دیب خانہ اصل ببرد و چند راہ مختلف بیروں برد تا از مضیق طلب صیاداں بسوے دیگر بیروں جہد و ایں جنس سخن را از بہرِ آں لغز خوانند۔ کہ صرفِ معنی ست از سمت فہم راست و بعضے مردم آں را لغز خوانند بضمِ لام و غین و در دیوان الادب آں را در باب فُعَل آوردہ است بضمِ فا و فتح عین و معما آن ست کہ اسمے یا معنی را بنوعے از غوامضِ حساب یا بچیزے از قلب و تصحیف و غیر آں از انواع تعمیت آں را پوشیدہ گردانند تا جز باندیشۂ تمام و فکر بسیار بسر آں نتواں رسید و بر حقیقت آں اطلاع نتواں یافت۔"

شمس الدین محمد بن قیس الرازی نے جو کچھ اس کے متعلق لکھا ہے ایک تو مجمل بہت ہے۔ اس سے حقیقت و ماہیتِ چیستاں پر کافی روشنی نہیں پڑتی اور دوسری تعریف

بھی جامع و مانع نہیں ہے۔ لکھتے ہیں کہ:- "کوئی مضمون مشکل عبارت میں بطریق سوال رکھا جائے" ہر شخص اس تعریف کے نامکمل ہونے کو خود سمجھ سکتا ہے۔ میرے خیال میں شمس الدین الرازی کے نزدیک ہر قسم کے رموز چیستاں ہیں جیسا کہ ابن رشیق قیروانی کا خیال ہے۔ البتہ معمّا کی حقیقت کو بذریعہ تعریف کے چیستاں سے خوب واضح کیا ہے لیکن اس میں صرف اتنا نقص رہ گیا ہے کہ تعریف مجہول ہو گئی اس لیے کہ جو شخص تعمیت کو جو مصدر معنی ہی سمجھ سکتا ہے اس کو خود معمے کے سمجھنے میں کیا دشواری ہے اور جو شخص معمے کو نہیں سمجھتا وہ تعمیت کو کیا جانیگا۔

ارسطو کی تقریر

ارسطو جس کو ہم تقریباً فنِ بلاغت کا موجد کہہ سکتے ہیں جس نے ابتداءً بلاغت کو فن کی صورت میں مدون کیا ہے اس کی تقریر حقیقتِ چیستاں کے واضح کرنے کے لیے ہم یہاں نقل کرتے ہیں اس سے معلوم ہوگا کہ چیستاں کا وجود کلام میں کیونکر ہوتا ہے اور الفاظ کے کس نہج سے استعمال کرنے کو پہیلی کہتے ہیں۔ ارسطو نے مختصراً وضع الفاظ سے بحث کی ہے اور اسی کے ذیل میں پہیلیوں کے متعلق ذکر کیا ہے۔

ارسطو کہتا ہے کہ "الفاظ اور اسماء جو جملہ میں استعمال کیے جاتے ہیں ان کی مختلف صورتیں ہوا کرتی ہیں۔ وہ حقیقی ہونگے یا دخیل یا منقول نادر الاستعمال یا مزین یا معمول یا معقول یا مفارق یا مغیر۔ حقیقی وہ اسم ہے جو کسی گروہ کے ساتھ اس طرح مخصوص ہو کہ اس کا استعمال اسی جماعت تک محدود ہو جیسے عربی، فارسی، لاطینی وغیرہ

دخیل وہ ہی جو کسی غیر قوم یا جماعت میں مستعمل ہی لیکن اُس کو شعرا اپنے اشعار میں استعمال کرلیتے ہیں جیسے استبرق اور مشکوۃ وغیرہ کہ یہ الفاظ عجمی ہیں لیکن عرب نے اُن کو اپنا بنا لیا ہی۔ **منقول نادر** وہ ہی جو کسی مناسبت سے ایک اسم دوسرے اسم کی جگہ پر استعمال کیا جاتا ہی۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں کبھی تو ایک نوع سے جنس کی طرف انتقال ہوتا ہی، جیسے قتل کو موت کہنا۔ کبھی جنس سے نوع کی طرف انتقال ہوتا ہی جیسے گائے، بیل کو حیوان کہتے ہیں۔ کبھی ایک نوع سے دوسری نوع مراد لیتے ہیں جیسے خیانت کو سرقہ کہنا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہی کہ ایک شے دوسری شے کی طرف منسوب ہے اور دوسری شے تیسری شے کی جانب تیسری چوتھی کے طرف اُن میں سے جو نسبت پہلی شے کو دوسری شے کی طرف ہی وہی تیسری کو چوتھی کی طرف۔ اس طرح پہلی شے کے اسم کو چوتھی شے کی طرف منتقل کرتے ہیں۔ جیسے قدما بڑھاپے کو شام عمر کہتے ہیں اور شام کو دن کا بڑھاپا، تو بڑھاپے کی نسبت عمر کی طرف وہی ہی جو شام کی نسبت ہی دن کی طرف۔ **معمول** وہ اسم ہی جس کو شاعر خود ایجاد کرلیتا ہی اور شعرا ہی میں ابتداءً اس کا استعمال ہوا کرتا ہی۔ اس قسم کے اسمار اکثر صنایع میں مستعمل ہوتے ہیں عام طور پر اُن کا استعمال نہیں ہی۔ قدما شعرا میں یہ بہت کم پایا جاتا ہی حال کے شعرا اسم منقول کو صنایع میں بطور استعارہ استعمال کرتے ہیں۔ دمفارق اور معقول کا استعمال یونانی زبان میں ہی، عربی و فارسی میں نہیں پایا جاتا اور غالباً یہ اُسی قسم سے ہی جیسا کہ عربی اسماء ترخیم کی صورت میں مستعمل ہوتے یعنی اُن کے اخیر کا حرف گرا کر نداء میں استعمال کرتے ہیں جیسے یوسف کا لفظ ندا